بحث ونظر

میثاقِ الٰہی

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دوسری مخلوقات سے بایں طور ممتاز کیا ہے کہ انھیں ارادہ واختیار کی آزادی بخشی ہے جب کہ دوسری مخلوقات اس سے محروم ہیں۔ ان کے لیے نشو ونما پانے اور زندگی گزارنے کا جو طریقہ متعین کر دیا گیا ہے اس سے وہ سرِ مو تجاوز نہیں کرسکتیں اس کے بالمقابل انسانوں کو چند مخصوص صلاحیتیں ودیعت کرکے آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ ان کے سامنے زندگی گزارنے کے دو طریقے رکھ دیے گئے ہیں۔ ایک طریقہ وہ ہے جس پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور دوسرا طریقہ وہ جو اس کے غیظ وغضب کو بھڑکاتا ہے۔ ایک طریقہ کو اپنانے سے وہ اس کے بے پایاں انعامات کے مستحق ہوجاتے ہیں اور دوسرے کو اختیار کرنے سے برا انجام ان کا مقدر بن جاتا ہے۔ انسانوں کو پوری آزادی دی گئی ہے کہ ان میں سے جو طریقہ چاہیں اپنے لیے پسند کریں۔ اسی میں ان کا امتحان ہے[1]۔

انسانوں کو ارادہ واختیار کی یہ آزادی بخشنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی یہ عظیم رحمت اور بے پایاں احسان ہے کہ اس نے ایسے اسباب اور محرکات فراہم کیے جو انھیں صحیح راستے کی طرف رہنمائی کرتے رہیں۔ اس نے ہر شخص کے اندرون میں ضمیر کی شکل میں ایک طاقتور "مذکّر ومحاسب" ودیعت کیا جو اسے صحیح اور رضائے الٰہی کی طرف لے جانے والے طریقہ کو اختیار کرنے پر ابھارتا اور غلط طریقہ اختیار کرنے پر کچوکے لگاتا رہے۔ وقتاً فوقتاً اپنے برگزیدہ بندوں کو بھیجتا رہا تاکہ وہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو صحیح راہ دکھائیں، ان تک اللہ تعالیٰ کے احکامات

---

[1] قرآن کریم میں یہ مضمون بہت سی آیتوں میں بیان ہوا ہے۔ مثلاً النمل:۴۰، الزمر:۷، لقمان:۱۲، الدہر:۳، البلد:۱۰

پہنچائیں۔ اچھے کاموں کے فائدے اور ان پر ملنے والے انعامات اور غلط کاموں کے نقصانات اور ان پر ملنے والی سزاؤں کو یاد دلائیں۔

عہدِ الست

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اس نے اس دنیا میں انسانوں کو پیدا کرنے سے پہلے عالمِ غیب میں انھیں وجود اور شعور بخش کر ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا اور انھوں نے اس کا اقرار کیا۔ ایسا اس لیے کیا گیا تاکہ دنیا میں جب فطرت انھیں اس عہد کی طرف متوجہ کرے یا اللہ کے پیغمبر اس کا حوالہ دے کر انھیں راست روی کی دعوت دیں تو اس پر لبیک کہیں اور اس سے ناواقف ہونے کا کوئی بہانہ نہ کر سکیں۔ قرآن میں ہے

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

(الاعراف: ۱۷۲-۱۷۳)

اور اے نبی لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انھیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں ہم اس پر گواہی دیتے ہیں" یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے" یا یہ نہ کہنے لگو کہ "شرک کی ابتدا تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد کو ان کی نسل سے پیدا ہوئے۔ پھر کیا آپ ہمیں اس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا"

اس مضمون کی متعدد احادیث مروی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے بنی آدم کو وجود بخشنے کی کیفیت اور ان سے اپنی ربوبیت کی گواہی لینے کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ابو العالیہ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے مذکورہ آیت کی یہ تفسیر روایت کی ہے:

"اللہ تعالیٰ نے اس دن ان تمام لوگوں کو یکجا کیا جو قیامت تک پیدا ہونے والے تھے۔ انھیں ان کی مخصوص صورتیں عطا کر کے قوتِ گویائی عطا کی۔ پھر ان سے عہد و میثاق کیا۔ اس نے ان سے کہا: میں ساتوں آسمانوں، ساتوں زمینوں اور خود تمہارے باپ آدم کو گواہ بناتا ہوں تاکہ تم قیامت میں یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں تو اس کی خبر نہ تھی۔ جان لو میرے علاوہ کوئی معبود ہے نہ کوئی رب۔ میرے ساتھ شرک نہ کرنا۔ میں تمہارے پاس اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرے اس عہد و میثاق کی یاد دلائیں گے اور اس کی خلاف ورزی سے ڈرائیں گے۔ میں تم پر اپنی کتابیں بھی نازل کروں گا۔ ان لوگوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہمارے رب اور معبود ہیں۔ آپ کے علاوہ ہمارا کوئی رب اور معبود نہیں۔ اس طرح انھوں نے اس دن اطاعت کا عہد کیا تھا۔"[۱]

بعض علمائے سلف و خلف کا خیال ہے کہ ضروری نہیں کہ یہ واقعہ عالم خارج میں رونما ہوا ہو۔ بلکہ اس سے محض اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ توحید کا اقرار انسانی فطرت میں موجود ہے۔

قال قائلون من السلف والخلف	متعدد علمائے سلف و خلف کا خیال ہے کہ
ان المراد بهذا الاشهاد انما	گواہ بنانے سے مراد فطرت انسانی میں
هو فطرهم على التوحيد[۲]	توحید ودیعت کرنا ہے۔

علامہ ابن کثیر نے ان لوگوں کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے:

"آیت میں آدم کی پیٹھ سے نہیں بلکہ بنی آدم کی پیٹھ سے ان کی ذریت نکالنے کا تذکرہ ہے اور ان سے لی جانے والی شہادت زبانِ قال سے نہیں بلکہ زبانِ حال سے ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا عالم واقعہ میں ہوتا بایں طور کہ اسے بعد میں حجت بنایا جائے تو ہر ایک کے حافظہ میں وہ محفوظ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد توحید کا اقرار ہے جو ان کی فطرت میں موجود ہے۔"[۳]

۱۔ ابن جریر طبری، تفسیر جامع البیان دار المعارف مصر تحقیق محمود محمد شاکر، احمد محمد شاکر جلد ۱۳ ص ۲۳۵-۲۳۹
تفسیر ابن کثیر المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء جلد دوم ص: ۲۶۳، اس روایت کو احمد، ابن ابی حاتم، ابن جریر اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر حوالہ سابق۔

۲۔ تفسیر ابن کثیر جلد دوم ص ۲۶۴ ۳۔ حوالہ سابق۔

اس رائے کے قائل علامہ زمخشری بھی ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کا بیان تمثیلی اور تخیلی ہے اور اس کا مطلب بس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر روشن دلائل قائم کر دیئے ہیں جن پر ان کی سلیم عقلیں اور بصیرتیں گواہ ہیں۔ کلامِ الٰہی میں اس کی بکثرت مثالیں ہیں مثلاً اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (النحل۔۴۰) فقال لها وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ (حم السجدہ۔۱۱) ظاہر ہے کہ مراد ان آیتوں میں قول نہیں ہے بلکہ محض مفہوم کی تمثیل و تصویر ہے[۱]

لیکن اکثر علماء کا خیال ہے کہ یہ عالم واقعہ کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے انسانوں کو عدم سے وجود بخشا ہے، ایسا کرنا بعید نہیں ہے۔ اگر انسانی حافظہ میں یہ واقعہ محفوظ نہیں تو یہ اس پر دلیل نہیں ہے کہ وہ پیش ہی نہیں آیا۔ بلکہ ایسا اس حکمت کے پیش نظر کیا گیا ہے کہ اگر اس کا نقش انسانوں کے حافظہ میں تازہ رہتا تو ان کو دنیا میں بھیجے جاتے اور یہاں ان کی آزمائش اور امتحان ہونے کے کوئی معنی نہ رہ جاتے ہے[۲]

میثاق الٰہی

اسی عہد کو یاد دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً اپنے برگزیدہ بندے بھیجے۔ انھیں حکم دیا کہ جن پیغامات اور تعلیمات کے ساتھ انھیں بھیجا گیا ہے انھیں بے کم و کاست اللہ کے بندوں تک پہنچا دیں۔ جو لوگ بھٹک گئے ہیں انھیں سیدھا راستہ بتائیں۔ جن لوگوں نے خواہشات نفس یا غلط محرکات میں آکر ایسا طریقۂ زندگی اپنا لیا ہے جو اللہ کی ناراضگی کو دعوت دیتا اور اس کے غضب کو بھڑکاتا ہے ان کی رہنمائی کریں اور انھیں ایسی شاہراہ پر لائیں جس سے وہ اس کی رضا اور اس کے انعامات کے مستحق ہو سکیں۔

پھر جن لوگوں نے انبیاء کی بات مانی، ان کی اطاعت کی اور ان کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل پیرا ہوئے ان سے اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ایک عہد لیا اور وہ یہ کہ

---

[۱] الکشاف۔ از زمخشری۔ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ مصر جلد دوم ص ۱۲۹

[۲] مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس سلسلہ میں بہت اچھی بحث کی ہے اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات کا بہترین جواب دیا ہے دیکھیے تفہیم القرآن مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی جلد دوم ص: ۹۶-۹۷

ان انبیاء کے ذریعے ان تک اللہ تعالیٰ کے جو احکامات اور تعلیمات پہنچیں گی ان پر سختی سے عمل کریں گے، انھیں اپنی زندگی میں نافذ کریں گے اور ان سے انحراف نہیں کریں گے۔

انبیاء اور ان کی امتوں سے لیے گئے اس عہد کو قرآن نے 'میثاق' سے تعبیر کیا ہے۔ اس نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اکثر امتیں اس کی پاسداری نہ کرسکیں۔ چنانچہ انھیں اس کے نتائج سے دوچار ہونا پڑا۔ یہاں ہم اس میثاق کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اس کے سلسلہ میں ان امتوں کے رویہ پر بھی روشنی ڈالیں گے اور اس کے نتیجے میں وہ جس انجام کی مستحق ہوئیں اس کا بھی اجمالی تذکرہ کریں گے۔

میثاق کا مفہوم

میثاق اصلاً اس رسّی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کسی چیز کو باندھا جائے۔ لسان العرب میں ہے:

مِفعال من الوثاق، وھو في الاصل حبل اوقید یُشدّ بہ الاسیر والدابۃ[1]	یہ وَثاق سے مِفعال کے وزن پر ہے۔ اس کے معنی اصلاً اس رسّی یا بیڑی کے ہیں جس کے ذریعہ قیدی یا جانور کو باندھا جاتا ہے۔

اصطلاحی طور پر اس کا اطلاق اس عہد و پیمان پر ہوتا ہے جسے قسم یا کسی دوسرے ذریعے سے موکد کردیا جائے۔ راغب اصفہانی نے لکھا ہے:

المیثاق عقد موکد بیمین وعھد[2]	میثاق سے مراد وہ معاملہ ہے جسے قسم یا عہد کے ذریعہ پختہ کردیا جائے۔

تفسیر طبری میں ہے:

المیثاق مفعال من التوثق بالیمین ونحوھا من الامور	میثاق مفعال کے وزن پر ہے۔ اس کا مطلب ہے قسم یا دیگر ذرائع سے بات

---

[1] ابن منظور، لسان العرب، دار صادر بیروت جزء ۱۰ ص: ۳۷۱ مادہ 'وثق'

[2] راغب اصفہانی۔ المفردات فی غریب القرآن۔ المطبعۃ المیمنیہ مصر ص: ۵۳۲

التی تؤکد القول[1] کو قید کرنا

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

"موثق اور میثاق کے معنی عہد و پیمان کے ہیں۔ اس لفظ کی روح وثوق اور استحکام ہے۔ اس وجہ سے یہ خاص طور پر اس عہد و پیمان کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی اہم معاملہ کے لیے پورے شعور اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ باندھا گیا ہو اور جس کی وفاداری کا تاکید کے ساتھ اظہار و اقرار کیا گیا ہو۔"[2]

اسی بنیاد پر اس عہد کو بھی میثاق سے تعبیر کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ۔بشمول انبیاء کے ـــ اس کے احکامات پر عمل کرنے اور اس کی دی ہوئی شریعت کے مطابق زندگی گذارنے کا لیا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے:

"شریعتِ الٰہی خدا اور بندوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اس کو میثاق سے تعبیر کیا جاتا ہے"[3]

قرآن کریم نے اسی مفہوم میں ایک لفظ 'عہد' استعمال کیا ہے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور اوامر و نواہی ہیں جو اس نے اپنی کتابوں میں اور اپنے رسولوں کے ذریعہ نازل فرمائے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد توحید اور ربوبیت کے دلائل اور انبیاء کو حاصل ہونے والے معجزات ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ عہد سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں نوعِ انسانی کو صلب آدم سے نکال کر لیا تھا[4] اسی قسم کے دیگر اقوال بھی ہیں مگر ان میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ سید قطب شہید نے لکھا ہے:

"اللہ سے انسانوں کا یہ عہد بہت سے عہدوں کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ان میں سے ایک وہ عہد فطرت ہے جو ہر زندہ ہستی کی فطرت

---

[1] تفسیر طبری حوالہ بالا جلد دوم ص: ۱۵۶، ۲۸۸

[2] امین احسن اصلاحی۔ تدبر قرآن۔ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور جلد اول طبع سوم ۱۹۷۶ء ص: ۱۹۸

[3] حوالہ بالا۔ [4] تفسیر طبری حوالہ بالا جلد اول ص: ۴۱۰ - ۴۱۱۔ تفسیر ابن کثیر حوالہ بالا جلد اول ص: ۶۶

میں راسخ ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے خالق کو پہچانتا اور عبادت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اللہ پر اعتقاد کی یہ بھوک انسانی فطرت میں ہمیشہ رہتی ہے البتہ کبھی کبھی فطرت بھٹک کر راہ سے منحرف ہو جاتی ہے اور وہ خدا کے سوا کچھ دوسرے خدا اور معبود بنا لیتی ہے اور ان میں سے ایک عہد استخلاف فی الارض کا ہے جو اللہ نے حضرت آدم سے لیا تھا... پھر قوموں کے پاس پیغمبر بھیجے گئے اور ان سے عہد لیے گئے کہ وہ صرف ایک خدا کی بندگی کریں اور اس کی شریعت اور اس کے نظامِ زندگی کو اپنی زندگیوں میں نافذ کریں"۔ [1]

میثاق انبیاء اور ان کی امتوں سے

قرآن صراحت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میثاق نبیوں سے بھی لیا ہے اور ان کی امتوں سے بھی۔ سورہ احزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۔ لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا۔ (الاحزاب: ۷-۸)	اور (اے نبی) یاد رکھو اس عہد و پیمان کو جو ہم نے سب پیغمبروں سے لیا ہے تم سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی۔ سب سے ہم پختہ عہد لے چکے ہیں۔ تاکہ سچے لوگوں سے (ان کا رب) ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے اور کافروں کے لیے تو اس نے دردناک عذاب مہیا کر ہی رکھا ہے۔

مذکورہ آیت میں انبیاء سے لیے گئے 'پختہ عہد' (میثاق غلیظ) کا تذکرہ ہے۔ لیکن وہ عہد کیا تھا اس کی صراحت نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے اس عہد کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکامات، تعلیمات اور ہدایات دے کر انھیں اپنے بندوں کی طرف مبعوث کیا ہے

[1] فی ظلال القرآن، سید قطب شہید دار الشروق جدہ طبع /۱۵، ۱۴۰۸ھ جلد ۱ ص: ۵۱-۵۲، اردو ترجمہ ہندوستان پبلیکیشنز دہلی جلد اول ص: ۱۴۲
۲۰۰

انھیں بے کم وکاست ان تک پہنچائیں گے۔ ان پر خود بھی عمل کریں گے اور اپنی امتوں کو بھی ان کی طرف دعوت دیں گے اور ان کو معاشرہ میں عملاً نافذ کرنے کی پوری جد وجہد کریں گے۔

ایک دوسری جگہ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ، فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

(آل عمران: ۸۱-۸۲)

یاد کرو اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ "آج ہم نے تمھیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے۔ کل اگر کوئی دوسرا رسول تمھارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمھارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا: کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں اللہ نے فرمایا: اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔ اس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے وہی فاسق ہے۔

اس آیت میں بظاہر خطاب انبیاء سے ہے[1] لیکن اصلاً اس کے مخاطب

---

[1] بعض مفسرین کا خیال ہے کہ میثاق انبیاء سے نہیں بلکہ اہل کتاب سے لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے رسولوں پر ایمان لائیں گے اور ان کی مدد کریں گے۔ انبیاء سے میثاق لینے کا کوئی مطلب نہیں ہے اس لیے کہ ان سے دوسروں کی مدد کرنے کا نہیں بلکہ دوسروں سے ان کی مدد کرنے کا عہد لیا جاتا ہے۔ اس آیت کی توجیہ وہ یہ کرتے ہیں کہ اس میں "نبیین" کی طرف اضافت 'موثق علیہ' کی اضافت نہیں بلکہ 'موثق' کی طرف اضافت جیسی ہے۔ کہا جاتا ہے میثاق اللہ۔ مفسر طبری نے کئی اقوال نقل کرنے کے بعد اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اللہ نے اپنی امتوں سے یہ میثاق لیا کہ ان کے بعد اللہ کے جو رسول اس کے احکام لے کر =

ان کے امتی ہیں ۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم ایک ہی ہے ۔ بعد میں آنے والا ہر رسول اپنے سے پہلے کے رسولوں کی تعلیمات کی تصدیق ہی کرتا ہے ۔ اس لیے عقل و انصاف کا تقاضا ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور اس کی تائید و تصدیق کی جائے ۔ اگر کوئی شخص تمام انبیاء پر ایمان نہیں لاتا بلکہ ان میں تفریق کرتا ہے کسی کو نبی تسلیم کرتا اور کسی کا انکار کرتا ہے تو وہ دائرہ ایمان سے خارج ہے ۔

میثاق بنی اسرائیل

قرآن میں انبیاء کی جن امتوں سے میثاق لیے جانے کی صراحت کی گئی ہے ان میں بنی اسرائیل کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے ۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پایاں انعامات و احسانات کیے ۔ انھیں متعدد مادی اور روحانی نعمتوں سے نوازا ۔ دیگر اقوام پر فضیلت بخشی ۔ دنیا کی امامت سے سرفراز فرمایا ۔ متعدد برگزیدہ پیغمبروں سے شرفِ انتساب بخشا اور عرصہ تک زمامِ حکومت و سلطنت ان کے ہاتھ میں رہی[۱] ۔ ان احسانات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک میثاق لیا ۔ اس میثاق کا تذکرہ قرآن میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے ۔ بعض آیات سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ میثاق ان سے کوہِ طور کے دامن میں لیا گیا تھا[۲] ۔ حضرت موسیٰ اپنی قوم کے ستر سربرآوردہ لوگوں کو لے کر اللہ کے حکم کے مطابق کوہ طور پر حاضر ہوئے ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و جلال کا مظاہرہ اس طرح کیا کہ پہاڑ زلزلے سے لرزنے لگا[۳] ۔ اور ایسی خوفناک صورتِ حال پیدا ہو گئی کہ معلوم ہوتا تھا وہ ان پر

= آئیں گے ان پر ایمان لائیں گے اور ان کی تصدیق کریں گے تفسیر طبری حوالہ بالا جلد/ ۶ ص : ۵۵۷ ۔ زمخشری نے بھی کئی اقوال نقل کیے ہیں دیکھیے کشاف حوالہ بالا جلد اول ص : ۴۴۴ ۔ ۴۴۱ ۔

[۱] بنی اسرائیل پر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات کا تذکرہ قرآن میں مختلف مقامات پر آیا ہے ۔ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں بھی اس کی تفصیل ملتی ہے ۔ مثلاً دیکھیے بنو اسرائیل فی القرآن والسنۃ ۔ ڈاکٹر سید محمد طنطاوی ۔ دار حراء قاہرہ طبع اول ص ۶۹ ۔ ۱۹۶۸ء الیہود فی القرآن ۔ عفیف عبد الفتاح طبارۃ ۔ دار الکتب بیروت طبع دوم ۱۹۶۶ء وغیرہ ۔

[۲] البقرہ : ۶۳، ۹۳ ، النساء ۱۵۴ ۔ [۳] الاعراف : ۱۵۵

آپڑے گا[1]۔ مولانا مودودی نے اس وقت کی منظر نگاری کرتے ہوئے اس کے مقصد پر یوں روشنی ڈالی ہے:

"اس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے کتاب کی پابندی کا عہد لیا اور عہد لیتے ہوئے خارج میں ان پر ایسا ماحول طاری کر دیا جس سے انھیں خدا کے جلال اور اس کی عظمت و برتری اور اس کے عہد کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہو اور وہ اس شہنشاہِ کائنات کے ساتھ میثاق استوار کرنے کو کوئی معمولی سی بات نہ سمجھیں۔ اس سے یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ وہ خدا کے ساتھ میثاق باندھنے پر آمادہ نہ تھے اور انھیں زبردستی خوف زدہ کر کے اس پر آمادہ کیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ سب کے سب اہل ایمان تھے اور دامن کوہ میں میثاق باندھنے ہی کے لیے گئے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے معمولی طور پر ان سے عہد و اقرار لینے کے بجائے مناسب جانا کہ اس عہد و اقرار کی اہمیت ان کو اچھی طرح محسوس کرا دی جائے تاکہ اقرار کرتے وقت انھیں یہ احساس رہے کہ وہ کس قادرِ مطلق ہستی سے اقرار کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ بدعہدی کرنے کا انجام کیا کچھ ہو سکتا ہے[2]"

اس میثاق کی جو تفصیلات اور اہم نکات مختلف آیات میں مذکور ہیں انھیں ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

جو کتاب ہم تمہیں دے رہے ہیں اسے مضبوطی کے ساتھ تھامنا اور جو احکام و ہدایات اس میں درج ہیں انھیں یاد رکھنا۔ اسی ذریعہ سے توقع کی جاسکتی ہے کہ تم تقویٰ کی روش پر چل سکو گے۔ (البقرہ ۶۳۔ الاعراف: ۱۷۱)

جو ہدایات ہم دے رہے ہیں ان کی سختی کے ساتھ پابند کرو اور کان لگا کر سنو۔ (البقرہ ۹۳)

اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔

ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک

---

[1] الاعراف: ۱۷۱ [2] تفہیم القرآن حوالہ بالا جلد اول ص ۹۵۔

کرنا۔ لوگوں سے بھلی بات کہنا۔
نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔
ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر نہ کرنا۔ (البقرہ: ۸۳-۸۴)
اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دی۔
اور میرے رسولوں کو مانا اور ان کی مدد کی۔
اور اپنے خدا کو اچھا قرض دیتے رہے۔
تو یقین رکھو کہ میں تمہاری برائیاں تم سے زائل کردوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ مگر اس کے بعد جس نے تم میں سے کفر کی روش اختیار کی تو درحقیقت اس نے سواء السبیل گم کردی۔ (المائدہ ۔۱۲)
(کیا ان سے کتاب کا عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ) اللہ کے نام پر وہی بات کہیں جو حق ہو۔ (الاعراف: ۱۶۹)
تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا انھیں پوشیدہ رکھنا نہیں ہوگا۔
(آل عمران - ۱۸۷)
دروازہ میں سجدہ ریز ہوتے ہوئے داخل ہو۔
سبت کا قانون نہ توڑو۔ (النساء - ۱۵۴)

بنی اسرائیل کی عہد شکنی

اللہ کے احسانات کا تقاضا تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل سجدۂ شکر بجالاتے اور انھوں نے اس سے جو "میثاق غلیظ" (پختہ عہد) باندھا تھا اس کی پابندی کرتے۔ لیکن یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ انھوں نے عہدالٰہی کو توڑنے، احکام الٰہی سے سرتابی کرنے، انبیاء کی نافرمانی اور تکذیب کرنے اور کتاب الٰہی کو پس پشت ڈالنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ قرآن میں جہاں کہیں بنی اسرائیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے میثاق لینے کا تذکرہ ہے۔ وہیں یہ بھی صراحت کردی گئی ہے کہ وہ اس میثاق پر قائم نہ رہ سکے اور انھوں نے ہر موقع پر اس کو پامال کیا۔

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے اس میثاق کو یاد دلاتا ہے کہ ہم نے تم سے توحید پر قائم رہنے، والدین اور رشتہ داروں وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک

کرنے، لوگوں سے بھلی بات کہنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا عہد لیا تھا مگر تم اس پر قائم نہیں رہے:

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ (البقرہ: ۸۳)

مگر تھوڑے آدمیوں میں سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے اور اب تک پھرے ہوئے ہو۔

وہ انھیں مزید یاد دلاتا ہے کہ تم سے عہد لیا گیا تھا کہ ایک دوسرے کا خون کروگے نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کروگے، تم نے اس کا اقرار کیا تھا مگر تمہارا عمل اس کے برعکس رہا:

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۔ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۔ (البقرہ ۔ ۸۵)

مگر آج وہی تم ہو کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو، اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے خانماں کر دیتے ہو، ظلم وزیادتی کے ساتھ ان کے خلاف جتھے بندیاں کرتے ہو اور جب وہ لڑائی میں پکڑے ہوئے تمہارے پاس آتے ہیں تو ان کی رہائی کے لیے فدیہ کا لین دین کرتے ہو حالاں کہ انھیں ان کے گھروں سے نکالنا ہی سرے سے تم پر حرام تھا۔

ان سے عہد لیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی ہدایت کے لیے جو رسول بھی آئیں گے ان کی وہ اطاعت کریں گے اور ان کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے خواہ وہ ان کی خواہشِ نفس کے برخلاف ہو مگر صورتِ حال اس کے برعکس رہی:

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۔ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ، فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ (المائدہ: ۷۰)

ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے مگر جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول ان کی خواہشاتِ نفس کے خلاف کچھ لے کر آیا تو کسی کو انھوں نے جھٹلایا اور کسی کو قتل کر دیا۔

ان سے عہد لیا گیا تھا کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کتاب عطا کی گئی ہے اس کی تعلیمات کو لوگوں میں عام کریں گے اور اس کا کوئی حصہ چھپا کر نہیں رکھیں گے۔ مگر انھوں نے کیا یہ کہ اس کے جن احکام اور تعلیمات کی زد ان کی خواہشات اور مفادات پر پڑتی تھی انھیں نہ صرف پوشیدہ رکھنے بلکہ ان میں تحریف کرنے سے بھی وہ باز نہ آئے۔ دنیا کی چند روزہ زندگی کی لذتوں سے شادکام ہونے کی خاطر انھوں نے کتاب الٰہی سے کھلواڑ کیا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ، فَنَبَذُوْہُ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ، وَاشْتَرَوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا، فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ

(آل عمران: ۱۸۷)

ان اہلِ کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا۔ انھیں پوشیدہ رکھنا نہیں ہوگا۔ مگر انھوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر اسے بیچ ڈالا۔ کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں۔

ان سے کوہ طور کے دامن میں عہد لیا گیا تھا کہ جو ہدایات تمہیں دی جا رہی ہیں انھیں ٹھیک سے سنو اور ان پر سختی سے عمل کرو مگر انھوں نے کیا کیا؟

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَا اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاسْمَعُوْا، قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا۔

(البقرہ - ۹۳)

پھر ذرا اس میثاق کو یاد کرو جو طور کو تمہارے اوپر اٹھا کر ہم نے تم سے لیا تھا۔ ہم نے تاکید کی تھی کہ جو ہدایات ہم دے رہے ہیں ان کی سختی کے ساتھ پابندی کرو اور کان لگا کر سنو۔ تمہارے اسلاف نے کہا کہ ہم نے سن لیا مگر مانیں گے نہیں۔

"عصینا" (مانیں گے نہیں) زبانِ حال کی تعبیر ہے۔ یعنی انھوں نے اقرار تو اطاعت کا ہی کیا تھا مگر عملاً اس سے سرتابی کی۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت یوں کی ہے:

"یہ صورتِ حال کی تعبیر ہے۔ انھوں نے عہد تو یہی کیا تھا کہ "ہم نے سنا اور ہم اطاعت کریں گے" لیکن عمل ان کا یہی ہوا کہ انھوں نے جو کچھ

سنا اس کی نافرمانی کی۔ اس صورت حال کو جوان کے عمل سے ظاہر ہوئی
قرآن نے ان کے قول کی جگہ رکھ دیا ہے۔ گویا انھوں نے شروع ہی
میں اقرار اطاعت کا نہیں بلکہ نافرمانی کا کیا تھا[1]

قرآن کہتا ہے کہ جب بھی انھوں نے کوئی عہد کیا۔ ان میں سے اکثر لوگوں نے اس کی پاسداری نہیں کی:

أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُم ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (البقرہ - ۱۰۰)	کیا ہمیشہ ایسا ہی نہیں ہوتا رہا ہے کہ انھوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک نہ ایک گروہ نے اسے ضرور ہی بالائے طاق رکھ دیا؟ بلکہ ان میں سے اکثر ایسے ہی ہیں جو سچے دل سے ایمان نہیں لاتے۔

بنی اسرائیل میثاقِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جن جن برے اور غلط کاموں میں مبتلا ہوئے قرآن نے ان کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔ اس نے ان کی اعتقادی اور فکری خرابیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے غلط تصورات دین سے پردہ اٹھایا ہے، ان کی اخلاقی پستیوں کو طشت ازبام کیا ہے، ان کی معاشرتی اور تمدنی کج رویوں کو بیان کیا ہے۔ ان کے نسلی اور قومی غرور پر ضرب لگائی ہے۔ اس طرح ان کے عقائد اعمال اور اخلاق کا ایک جامع مرقع پیش کر دیا ہے۔

عہد شکنی پر سزائے الٰہی

بالآخر جب بنی اسرائیل نے وہ تمام کام کیے جو اللہ کے غیظ و غضب کو بھڑکاتے اور اس کی سزا کو دعوت دیتے ہیں۔ تو ان پر اس کا قانونِ مکافات نافذ ہو کر رہا۔ اس نے دنیا میں بھی انھیں سزا دی اور آخرت میں بھی دردناک عذاب کی پیشین گوئی کی۔
ارشاد باری ہے:

---

[1] تدبر قرآن اول ص: ۲۲۸ ایسی ہی تشریح سید قطب شہید نے بھی کی ہے۔ دیکھئے فی ظلال القرآن جلد ۱ ص: ۹۱ اردو ترجمہ جلد اول ص ۲۴۹۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ	آخر کار ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور
وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ	اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ کی آیات
الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ .... (النساء: ۱۵۵)	کو جھٹلایا اور متعدد پیغمبروں کو ناحق قتل کیا...
فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا	غرض ان یہودیوں کے اسی ظالمانہ رویّہ
حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ	کی بنا پر اور اس بنا پر کہ یہ بکثرت اللہ کے
أُحِلَّتْ لَهُمْ، وَبِصَدِّهِمْ	راستے سے روکتے ہیں اور سود لیتے
عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ كَثِيرًا	ہیں جس سے انھیں منع کیا گیا تھا اور
وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ	لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے
نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ	ہیں. ہم نے بہت سی وہ پاک چیزیں ان
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ، وَأَعْتَدْنَا	پر حرام کردیں جو پہلے ان کے لیے حلال
لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا	تھیں اور جو لوگ ان میں سے کافر ہیں ان
أَلِيمًا	کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار
(النساء ۱۶۰ — ۱۶۱)	کر رکھا ہے۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے عہد الٰہی توڑنے اور دوسری نافرمانیاں کرنے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بعض پاکیزہ چیزیں ان پر حرام قرار دے دیں اور آخرت میں بھی وہ ان کو عذاب سے دوچار کرے گا۔ ایک دوسرے مقام پر ان کے دلوں کو سخت کر دینے اور ان پر لعنت کرنے کا تذکرہ ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ	پھر یہ ان کا اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا
لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ	جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت
قَاسِيَةً۔	سے دور پھینک دیا اور ان کے دل
(المائدہ۔۱۳)	سخت کر دیے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ لعنت سے مراد حق و ہدایت اور رحمت سے دور کر دینا اور قساوت قلبی سے مراد عبرت و نصیحت کی صلاحیت سے محروم ہو جانا ہے[1]۔ مولانا امین احسن اصلاحی

[1] تفسیر طبری حوالہ بالا جلد ۲، ص: ۳۲۸ جلد ۳ ص: ۲۵۴، تفسیر ابن کثیر حوالہ بالا جلد ۲ ص: ۳۳، کشاف حوالہ بالا جلد ۱ ص: ۶۰۰

نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لعنت اور قساوت قلبی کی یہ تشریح کی ہے :

"اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ معاہدہ کرکے اس کو جس درجے کی عزت وسرفرازی بخشتا ہے، معاہدہ توڑ دینے کی صورت میں وہ اس کو اسی درجے کی ذلت کے ساتھ دھتکار بھی دیتا ہے۔ اس دھتکارنے کے لیے جامع تعبیر 'لعنت' ہے۔ یعنی کسی کو راندۂ درگاہ قرار دے دینا۔ راندۂ درگاہ ہونے کا پہلا اثر جو اس قوم پر پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے اندر سے خدا کی خشیت، جو دل کی زندگی کی ضامن ہے، ختم ہوجاتی ہے اور دل پتھر ہو کر توبہ و انابت کی روئیدگی کے لیے بالکل بنجر ہوجاتا ہے۔ یہ حالت پیدا تو ہوتی ہے عہد شکن قوم کے اپنے عمل کے نتیجے کے طور پر لیکن چونکہ واقع ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی مقررہ سنت کے مطابق، اس وجہ سے اس کو منسوب اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمایا ہے۔ یہ قساوت عہد شکن قوم کے اندر جسارت پیدا کرتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ میثاق الٰہی کی خلاف ورزی ہی پر بس نہیں کرتی بلکہ وہ اس معاہدے کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کے لیے اس کے الفاظ و کلمات کی تحریف بھی کرتی ہے۔"[1]

قرآن میں بنی اسرائیل کو دی جانے والی دوسری سزائیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً ارضِ فلسطین پر غلبہ سے پہلے چالیس سالہ صحرا نوردی (مائدہ - ۲۶) بندر اور خنزیر بنایا جانا (مائدہ - ۶۰) دوسری قوموں کا تسلط (الاسراء : ۴ - ۷) اور قیامت تک مصائب میں گرفتاری (الاعراف : ۱۶۷) وغیرہ۔

میثاقِ نصاریٰ

میثاق الٰہی کے تعلق سے قرآن نے جس دوسرے گروہ کا تذکرہ کیا ہے وہ نصاریٰ کا ہے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہود کی طرح یہ بھی اس میثاق پر قائم نہ رہ سکا۔ چنانچہ اسے اس کی سزا بھگتنا پڑی۔ میثاق کے سلسلہ میں نصاریٰ کے رویہ اور انجام کار ان کو دی جانے والی سزا کی پوری تاریخ کو قرآن نے بہت ہی ایجاز کے ساتھ ایک آیت میں

---

[1] تدبر قرآن جلد اول ص ۲۴۸ حوالہ بالا

سمیٹ دیا ہے:

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی اَخَذْنَا مِیْثَاقَھُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ۔وَسَوْفَ یُنَبِّئُھُمُ اللّٰہُ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ۔ (المائدہ: ۱۴)	اسی طرح ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا تھا جنھوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں مگر ان کو بھی جو سبق یاد کرایا گیا تھا اس کا ایک بڑا حصہ انھوں نے فراموش کر دیا۔ آخر کار ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور آپس کے بغض و عناد کا بیج بو دیا اور ضرور ایک وقت آئے گا جب اللہ انھیں بتائے گا کہ وہ دنیا میں کیا بناتے رہے ہیں۔

اس گروہ کے لیے لفظ 'نصاری' کا استعمال بہت معنویت رکھتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نیا دین قائم کرنے کے لیے تشریف نہیں لائے تھے بلکہ آپ کی بعثت بنی اسرائیل کی طرف، ان کی اصلاح کے لیے ہوئی تھی۔ آپ نے انھیں ان بنیادی عقائد اور تعلیمات ہی کی طرف دعوت دی جن کی طرف انبیا ء سابقین دعوت دیتے رہے ہیں اور ان میں جو اعتقادی، تمدنی اور اخلاقی برائیاں درآئی تھیں ان پر انھیں سخت الفاظ میں تنبیہ اور ملامت کی۔ مگر ان کی اکثریت نصیحت قبول کرنے، اللہ کی نافرمانیوں سے باز آنے اور راست روی اختیار کرنے کے بجائے آپ کی جانی دشمن بن گئی محض چند افراد نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ قرآن کے بیان کے مطابق جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پکار کر کہا: کون ہے اللہ کی راہ میں میرا مددگار تو انہی چند افراد (حواریوں) نے جواب دیا: نحن انصار اللہ[1] (ہم ہیں اللہ کے مددگار) گویا ان حواریوں نے اللہ کے نبی کی موجودگی میں عہد کیا تھا کہ جو احکام اور تعلیمات اللہ کی طرف سے آئی ہیں ان پر وہ خود بھی عمل کریں گے اور دوسروں کو بھی ان کی طرف دعوت دیں گے لیکن عملاً ہوا

---

[1] الصف: ۱۴۔

یہ کہ بعد میں جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ کی پیروی کا اعلان کیا انھوں نے آپ کے نام پر ایک نیا دین بنا ڈالا جو مسیحیت یا عیسائیت کے نام سے موسوم ہوا۔ اس خود ساختہ مسیحیت کے بہت سے بنیادی عقائد اور تعلیمات حضرت عیسیٰ کی لائی ہوئی تعلیمات سے متضاد تھیں۔ اس بنیادی تحریف و تمسیخ کا اصل محرک پولوس (جو سینٹ پال کے نام سے بھی معروف ہے) تھا۔ یہ شخص حضرت عیسیٰ کی زندگی میں اور ان کے بعد چھ سال تک ان کی دعوت کا شدید مخالف تھا۔ بعد میں ان کے پیروؤں میں شامل ہوا اور محض اپنے نام نہاد کشف و الہام کی بنیاد پر اور حضرت عیسیٰ کے شاگردوں اور سچے پیروکاروں کی سخت مخالفت کے باوجود نئے نئے عقائد تراش لیے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسا دین پیش کرے جو غیر یہودیوں کے نزدیک قابل قبول ہو۔ چنانچہ اس نے عیسائیوں کو شریعت یہود کی پابندی سے آزاد قرار دے دیا۔ کھانے پینے کی اشیاء میں حرام و حلال کی قید اٹھا دی۔ ختنہ کا حکم جو یہود کے نزدیک عہد الٰہی کی ایک علامت تھا منسوخ کر دیا۔ حضرت عیسیٰ کی الوہیت اور ان کے ابن اللہ ہونے اور صلیب پر جان دے کر اولاد آدم کے پیدائشی گناہ کا کفارہ بن جانے کا عقیدہ تصنیف کر ڈالا۔ حالات کے نتیجے میں اس مسخ شدہ مسیحیت کو خوب فروغ ملا اور اس طرح پیروان مسیح نے سچی تعلیمات کے بڑے حصے کو فراموش کر ڈالا[1]۔

مذکورہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ الٰہی تعلیمات کو فراموش کر دینے کے نتیجہ میں ان کے درمیان باہم بغض و عداوت پیدا ہوگئی۔ تاریخ سے اس کی جو تفصیلات ملتی ہیں انھیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کہاں ایک طرف تو ان کا حال یہ تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات "شریر کا مقابلہ نہ کرو، جو تمہارا کرتا چھینے اس کو چوغہ بھی اتار دو، جو تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے اس کے سامنے دوسرا گال بھی پیش کر دو" وغیرہ کو دائمی تعلیمات سمجھتے تھے۔ اور اس پر عمل کے نتیجے میں انھوں نے دوسری اقوام کے بے انتہا مظالم برداشت کیے تھے۔ مگر جب عملاً اقتدار ان کے ہاتھ میں آیا تو انھوں نے بھی ظلم و ستم کا بازار گرم کرنے میں کوئی

---

[1] نصاریٰ کی تحریفات اور اعتقادی گمراہیوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، یہودیت و نصرانیت، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۳ء طبع اول، عبد الوحید خاں عیسائیت انجیل اور قرآن کی روشنی میں۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۱ء طبع اول۔

کسر اٹھا نہ رکھی۔ دوسرے مذاہب کے عبادت خانوں اور علمی و ثقافتی مراکز کو زمیں بوس کر دیا اور بے شمار انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ معاملہ اسی حد تک نہیں رکا بلکہ خود ان کے مختلف فرقوں کے درمیان خونریز لڑائیاں ہوئیں اور ان میں اخلاق اور انسانیت کی خوب خوب دھجیاں اڑائی گئیں اور بغض و عداوت کے اظہار کے ایسے ایسے وحشیانہ طریقے اپنائے گئے جن کو سن کر انسانیت کا سر شرم سے جھک جائے۔

میثاقِ امتِ مسلمہ

قرآنِ کریم میں اہلِ کتاب سے لیے گئے میثاق، ان کی طرف سے نقضِ عہد اور انجام کار ان کو دی جانے والی سزاؤں کا مفصل تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ مسلمان اس سے نصیحت حاصل کریں اور ان پر واضح ہو جائے کہ اگر انھوں نے بھی ایمان اور اطاعت الٰہی کی روش اختیار نہ کی اور نافرمانیاں کرتے رہے تو وہ بھی اللہ کی پکڑ سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔ کوئی قوم اللہ کی ایسی منظورِ نظر اور چہیتی نہیں کہ وہ تو سرِ عام اللہ کی نافرمانی کرے مگر اللہ تعالیٰ اس پر اپنے انعامات کی بارش کرتا رہے۔ بلکہ اس کا قانونِ مکافات سب کے لیے یکساں ہے۔ جو بھی اچھے کام کرے گا ان کی جزا پائے گا اور جو برے کام کرے گا وہ ان کی سزا جھیلے گا۔ قرآن کریم کی بکثرت آیات میں اس قانونِ الٰہی کو بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ نساء میں ہے:

لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ	انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے
اَھْلِ الْکِتٰبِ، مَنْ یَّعْمَلْ	نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر جو بھی برائی کرے گا
سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ وَلَا یَجِدْ لَہٗ	اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلہ میں
مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا	اپنے لیے کوئی حامی و مددگار نہ پا سکے گا
وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ	اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت
مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ	بشرطیکہ ہو وہ مومن، تو ایسے ہی لوگ
فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ وَلَا	جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ
یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا۔ (النساء: ۱۲۳-۱۲۴)	برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔

احکامِ الٰہی کی تابعداری اور ان پر عمل کا 'میثاق' اہلِ کتاب کی طرح مسلمانوں سے بھی لیا گیا۔[۱]

---

[۱] اس میثاق کے سلسلہ میں بھی مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد وہی عہد ہے =

اوران سے ایمان اوراس کے تقاضوں پرعمل کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ سورۂ حدید میں انھیں اللہ کی راہ میں انفاق پر ابھارتے ہوئے وہ طرزِ عمل اختیار کرنے کا حکم دیا گیا جو سچے دل سے ایمان لانے والوں کو اختیار کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں انھیں میثاق الٰہی کی یاد دلائی گئی۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا	ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ
مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ	کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو
فِیْہِ، فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ	خلیفہ بنایا ہے۔ جو لوگ تم میں سے ایمان
وَاَنْفَقُوْا لَھُمْ اَجْرٌ کَبِیْرٌ	لائیں گے اور مال خرچ کریں گے ان کے
وَمَا لَکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ	لیے بڑا اجر ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم
بِاللّٰہِ وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ	اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تمہیں
لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّکُمْ، وَقَدْ	اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے
اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ	رہا ہے اور وہ تم سے عہد لے چکا ہے۔
مُّؤْمِنِیْنَ۔ (الحدید: ۷-۸)	اگر تم واقعی ماننے والے ہو۔

سورۂ مائدہ میں یہی بات کھول دی گئی ہے اس میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ میثاق سمع وطاعت کا تھا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے انعامات واحسانات یاد دلاتے ہوئے اس میثاق کی پابندی کرنے اور اس کی خلاف ورزی سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد ہے:

وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ	اللہ نے تم کو جو نعمت دی ہے اس کا
وَمِیْثَاقَہُ الَّذِیْ وَاثَقَکُمْ	خیال رکھو اور اس پختہ عہد وپیمان کو
بِہٖ، اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا	نہ بھولو جو اس نے تم سے لیا ہے۔ یعنی
وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ	تمہارا یہ قول کہ "ہم نے سنا اور اطاعت

= جو اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کو صلبِ آدم سے نکال کر لیا تھا۔ بعض کے نزدیک وہ عہد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ العقبہ میں یا صلح حدیبیہ کے موقع پر لیا تھا۔ بعض کے خیال میں اس سے مراد وہ بیعت ہے جو احادیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ہر حالت میں سمع وطاعت کرنے کے سلسلہ میں لی تھی اور بعض کے نزدیک میثاق سے مراد توحید کے عقلی ونقلی دلائل ہیں۔ تفسیر طبری۔ تفسیر ابن کثیر ۳۰/۲، ۳۰۵/۴ کشاف ۵۹۸/۱، ۴۲/۴